Open Access
Received 02 Aug 2021 Accepted 27Aug 2021
ISSN E: 2790-7694, ISSN P: 2790-7686
http://www.al-asr.pk

قرآنی آیات کی روشنی میں مطالعہ مذاہب کے مروجہ اصول و حکم کا تجزیاتی مطالعہ

Study in the Light of Quranic Verses Analytical Study of the Prevailing Principles and Rules of Religions

Dr. Shamshad Akhtar
Lecturer, Punjab Group of Colleges, Sialkot

Dr. Hafiz Muhammad Sarwar
Lecturer, The College of Law, Narowal

ABSTRACT

In the sciences, teachings, and laws of nature described in the Quran, Allah has guided mankind of all ages. Provided with perfect comprehensiveness for affairs. It is a fact that understanding and adhering to the Quran lies in the ascension of humanity and the decline in Quranicism. This comprehensiveness, universality, and universality of the teachings of the Quran have left a deep imprint on the history of the world. The Quran al-Hakim is a sacred book that has made a critical and just analysis of the basic beliefs, worships, and rituals of different religions, which sheds light on the values, merits, and demerits of each religion. Explains the authenticity of the prevailing principles and methods, which are prevalent in the Western world, with arguments and facts.

Keywords: Common beliefs, Holy books, Places of worship, Comparative religions

ابتدائیہ:

قرآنِ مجید میں بیان کردہ علوم و معارف اور قوانینِ فطرت میں اللہ تعالیٰ نے ہر دور کے انسان کے لیے رہنمائی مہیا فرمادی ہے۔ یہ رہنمائی قیامت تک بنی نوع انسان کے جملہ انفرادی، خاندانی، اجتماعی، اخلاقی، سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی امور کے لیے کامل جامعیت کے ساتھ فراہم کردی گئی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ قرآن فہمی اور تمسک بالقرآن میں ہی انسانیت کی معراج اور قرآن گریزی میں زوال مضمر ہے۔ تعلیماتِ قرآن کی اسی جامعیت، ہمہ گیریت اور آفاقیت نے تاریخِ عالم پر گہرے نقوش ثبت کیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے اعتقاداً نہ ماننے والے بھی اس میں بیان کردہ بیش بہا علوم و معارف اور قوانینِ فطرت کی صداقت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے قرآنِ حکیم وہ مقدس کتاب ہے جس نے مختلف

مذاہب کے بنیادی عقائد، عبادات اور رسوم کا ایسا ناقدانہ اور عادلانہ تجزیہ کیا ہے جس سے ہر ایک مذہب کی قدر و قیمت ،خوبیاں اور خامیاں پوری طرح روشن ہو جاتی ہیں۔ قرآنِ حکیم مطالعہ مذاہب کے مروج اصول و طریق، جو مغربی دنیا میں رائج ہیں، کی دلائل اور حقائق کے ساتھ اصلیت واضح کرتا ہے۔

مکالمہ و مباحثہ

مکالمہ بین المذاہب کے بارے میں مسلمانوں میں تین طرح کے تصورات پائے جاتے ہیں۔ موجودہ مغربی حکومتوں کا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بلاجواز اور بے سروپا پروپیگنڈہ اور جارحانہ اقدامات کو دیکھ کر ایک گروہ کا خیال ہے کہ بین المذاہب مکالمے کی بجائے غیر مسلموں کو اس کا جواب اسی انداز میں دیا جائے جس طرح کا سلوک وہ ہمارے ساتھ کر رہے ہیں۔ اس کے لیے وہ بعض قرآنی آیات کا سہارا لے کر ان کے خلاف سخت گیر مؤقف اپناتے ہیں۔ اس کے بر عکس دوسرا گروہ یہ رائے رکھتا ہے کہ موجودہ حالات میں مسلمان کمزور اور مغرب و امریکہ طاقتور ہیں۔ ان کے ساتھ مخالفت کی بجائے اطاعت کا رویہ اپنایا جائے اور وہ جو کچھ کہیں اور کریں اسے ماننا اور برداشت کرنا چاہیے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک تیسرا گروہ میانہ روی کا قائل ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں مسلمانوں کی کمزوری اور بتدریج قوت حاصل کرنے جیسے حالات کو مدنظر رکھا جائے اور ہر دو حالات میں بغیر کسی مداہنت (دوسرے کو دھوکہ دینے) کے اور اپنے اصولوں سے روگردانی کیے بغیر شائستگی اور وقار کے ساتھ رہنے اور مخالفت برائے مخالفت کا طریقہ اپنانے سے گریز کرنا چاہیے۔ اور دوسروں کی مخالفت کا جواب دینے کے لیے پہلے اپنی کمزوریوں اور خامیوں پر قابو پایا جائے اور اپنے اندر اختلافات، خواہ وہ رنگ و نسل کے ہوں یا جغرافیائی اور مذہبی ہوں، کو ختم کر کے اتحاد و اتفاق کے ذریعے اپنی قوت کو برقرار رکھا جائے اور اس کے بعد اگر غیر مذہب کی جانب سے کوئی دست درازی ہو تو اس کا جواب بھی اپنے آفاقی اصولوں کو بالائے طاق رکھے بغیر، موقع محل کے مطابق اسی انداز میں دینا چاہیے۔

مشترک اور اتفاقی عقائد اور اس کی حکمتیں

قرآنِ حکیم سے، مذاہب کو قریب لانے کا جو اصول اخذ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ رب کی اطاعت کے حوالے سے ان میں جو قدر مشترک ہے اسی پر ان سب کو یکجا اور متفق کیا جائے اور یہ تصور اور تاثر دیا جائے کہ ان نکات پر ہم ایک ہیں۔ ہمارے درمیان افتراق کی بجائے اتفاق ہے۔ قرآنِ حکیم بتاتا ہے کہ:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾[1]

اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سواء کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کریں، اور اللہ کے علاوہ ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔

اس میں حکمت یہ ہے کہ جہاں تک اختلافی باتوں کا تعلق ہے اسے اچھالنے کی بجائے ایک ذہین استاد کی طرح سمجھانے کی کوشش کی جائے، یا ایک حاذق حکیم کی طرح اپنے مریض کی روحانی بیماری کو دیکھ کر اسے بُرا بھلا کہنے کی بجائے اس کی سخت باتوں کو سن کر اسے تسلی دے اور ہمدردی اور محبت سے اسے دلیل سے بار بار سمجھانے کی کوشش کرے۔ خلوص اور محبت سے بیمار کی آدھی بیماری خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔

اس کی دوسری حکمت یہ بھی ہے کہ اتفاقی اور مشترک عقائد ایک مذہب کو دوسرے مذہب کے قریب لانے کا سبب ہوتے ہیں۔ ایک حکمت یہ بھی اس میں پوشیدہ ہے کہ اس سے باہمی محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور اختلافی امور سے نفرتیں پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے۔

سبّ و شتم سے اجتناب کا اصول و حکم

قرآنِ حکیم دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو گالی گلوچ سے منع کرتا ہے کہ Reaction میں ایسا نہ ہو کہ وہ حقیقی خدا کو گالیاں دینے لگیں۔ اس لیے ہدایت دی ہے کہ:

﴿لَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾(2)

جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کو پکارتے ہیں تم انہیں گالی مت دو کہ وہ نا علمی میں اللہ کو گالیاں دے دیں گے۔

یہی حکم کسی ایک مذہب کے اندر مختلف مسالک و فرقوں کے لیے بھی ہے اور عالمی سطح پر مذاہب کے پیروکاروں کے لیے بھی ہے۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ یہی طرزِ عمل اگر اختیار کیا جائے تو مذاہب کے درمیان اختلاف و شدت کی بجائے دوستی اور محبت کی فضاء پیدا ہو گی۔ کسی مسئلہ پر اختلاف ہو تو اس پر شائستہ Debate ہو گی۔ لیکن نوبت اختلاف سے بڑھ کر مخالفت تک نہیں پہنچے گی۔

ایک حکمت یہ بھی اس میں پوشیدہ ہے کہ اگر ہم اپنے بانی اسلام کو سب و شتم سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں دوسرے مذاہب کے بانیوں کا احترام کرنا ہو گا۔

کتبِ مقدسہ اور عبادت گاہوں کے احترام کا اصول و حکم

ایک طرف تو یہ ایک قرآنی اصول ہے تو دوسری طرف یہ ایک حکمت بھی ہے کہ جس طرح مسلمانوں کو اپنی الہامی کتاب عزیز ہے اور اس کا ظاہری طور پر بہت احترام کیا جاتا ہے۔ بعینہ ہر ایک مذہب کی مقدس اور الہامی کتاب

موجود ہے ،خواہ اس میں تحریفات ہی کیوں نہ ہو۔انہیں بھی قرآنِ حکیم کی طرح وہ عزیز کتاب اور قابلِ احترام مانتے ہیں۔اور اس کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کو جرم تصور کیا جاتا ہے۔ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ جس طرح ایک بہت بڑی تعداد قرآن کی تعلیمات سے ناواقف ہے،اس سے بڑھ کر ناعلمی و ناواقفیت دوسرے مذاہب کی کتب سے ہے۔حالاں کہ توحید و آخرت کے بارے میں ،باوجود تحریفات کے ،آج بھی یہی تعلیمات ان میں موجود ہیں۔سچائی ،ہمدردی ،امانت و دیانت ،ہمسائیوں کے حقوق کی ادائیگی وغیرہ جیسی اخلاقِ حمیدہ کی تعلیم سب میں موجود ہے۔اس طرح اخلاقِ رذیلہ مثلاً جھوٹ ،زنا ،قتلِ ناحق ،خیانت وغیرہ کو سب بُرا اور ناپسندیدہ بیان کرتے ہیں۔اسی وجہ سے ان تعلیمات کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ یہی قرآن ہے اور اس کی تعلیمات دوسری کتب میں بھی ہیں: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ﴾(3)

اور یہ قرآن پہلوں کی لکھی ہوئی کتب میں موجود ہے۔

اور غالباً اسی وجہ سے رسولِ رحمت ﷺ نے زبور کو قرآن کہا ہے کہ داؤد علیہ السلام قرآن پڑھا کرتے تھے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خُفِّفَ عَلَى دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَام الْقُرْآنُ فَكَانَ يَأْمُرُ بِدَوَابِّهِ فَتُسْرَجُ فَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ قَبْلَ أَنْ تُسْرَجَ دَوَابُّهُ وَلَا يَأْكُلُ إِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدِهِ۔(4)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کے لیے قرآن کو آسان بنادیا گیا۔وہ اپنی سواری کی تیاری کا حکم دیتے تو اسے تیار کیا جاتا۔اور اس کی سواری کے جانور کی تیاری سے قبل قرآن پڑھ لیتے اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

بالکل اسی طرح اسلام دوسروں کے سامنے بھی یہی اصول پیش کرتا ہے کہ وہ اسلام یا کسی بھی مذہب اور اس کی کتب کے بارے میں ادب و احترام کو ملحوظ رکھیں۔اس میں یہ حکمت ہے کہ باہمی احترام کا یہ طرزِ عمل ان کے درمیان خلیج اور فاصلوں کو کم کردے گا۔

☆۔عبادت گاہوں کا احترام۔قرآنِ کریم عبادت گاہوں میں بھی تفریق نہیں کرتا بلکہ سب عبادت گاہیں خواہ وہ کلیسا ہو یا گرجا گریا کوئی اور عبادت گاہ،اسے اللہ کی عبادت اور اس کے ذکر کا مرکز تصور کرتا ہے۔اور ان کی حفاظت کا درس دیتا ہے۔ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا﴾ (5)

اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا تو خانقاہیں اور گرجا گراور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے، سب مسمار کر لی جاتیں۔

اصل میں صوامع اور بیع اور صلوات کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ صومع اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں راہب اور سنیاسی اور تارک الدنیا لوگ رہتے ہوں۔ بیع کا لفظ عربی میں عیسائیوں کی عبادت گاہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ صلوات سے مراد یہودیوں کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ یہودیوں کے ہاں اس کا نام صلوتا تھا جو ارامی زبان کا لفظ ہے۔ بعید نہیں کہ انگریزی لفظ Salute اور Salutation اسی سے نکل کر لاطینی میں اور پھر انگریزی میں پہنچا ہو۔ (6)

قرآن ان تمام عبادت گاہوں کو ذکرِ الٰہی کے مقامات کہتا اور عبادت گاہوں کا مقام دیتا ہے۔ مذہبی جنون اگر بڑھ جائے تو کوئی عبادت گاہ صحیح و سالم نہ رہے۔ جس طرح قسطنطین اعظم نے جب عیسائیت قبول کر لی، تو اس نے عیسائیت کی تبلیغ شروع کی اور انطاکیہ کی مشہور عبادت گاہ معبدِ انطاکیہ کو گرا دیا تھا۔ (7) ماضی قریب میں بلغاریہ میں بہت سی مساجد کو نہ صرف بند اور تباہ کیا گیا، بلکہ سڑکوں، پارکوں اور عمارتوں کی تعمیر کے بہانے ان کو گرایا گیا۔ (8) یہی حالت ہندوستان میں مذہبی جنونیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی مساجد کے ساتھ ہوا۔ وہاں مساجد کو بند کر دیا گیا ۔ صرف نئی دہلی میں مساجد کو مویشیوں کے باڑے اور رہائش گاہوں میں تبدیل کیا گیا۔ بعض میں بت رکھے گئے ، صوبہ ہریانہ کی ایک مسجد کو مندر میں تبدیل کیا گیا۔ (9) اسی طرح کا سلوک اشتراکی روس اور جمہوری امریکہ اور جرمنی وغیرہ میں مسلمانوں کی عبادت گاہوں کے ساتھ روا رکھا گیا۔

اسلام ان تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کو قابلِ احترام تصور کرتا اور ان کی حفاظت کا درس دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کی فتح کے بعد اہلِ ایلیا کے ساتھ جو معاہدہ کیا اس میں خصوصی طور پر یہ ذکر پوری وضاحت کے ساتھ کر دیا گیا کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو نہ ان کے احاطے کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ (10)

عَنْ عِدَّةٍ مِنْ أَبْنَاءِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ آبَائِهِمْ دِنْيَةًعَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوْ انْتَقَصَهُ أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (11)

رسول اللہ ﷺ کے کئی اصحاب کے صاحبزادوں (امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ تیس صاحبزادوں) نے اپنے انتہائی قریبی آباء (رشتہ داروں) سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبردار! جس نے کسی معاہد (ذمی) پر ظلم کیا یا اس کے (مذہبی وسماجی، معاشی ومعاشرتی اور سیاسی واقتصادی حقوق میں سے کسی) حق میں کمی کی یا اسے کوئی ایسا کام دیا جو اس کی طاقت سے باہر ہو یا اس کی دلی رضامندی کے بغیر کوئی چیز اس سے لے لی تو قیامت کے دن میں اس (معاہد غیر ذمی) کی طرف سے (اس کے حق کے لیے) جھگڑا کروں گا۔

اسی بات کی جانب امام بیہقی نے بھی اشارہ کیا ہے کہ غیر مذہب کو ان کی عبادت میں انہیں آزادی دی جائے۔اور اس میں رکاوٹ نہ پیدا کی جائے۔

عن ابن إسحاق قال وفد على رسول الله وفد نصارى نجران بالمدينة. حدثني محمد بن جعفر بن الندى بن الندي قال: لما قدم وفد نجران على رسول الله دخلوا عليه مسجده بعد العصر فحانت صلاتهم فقاموا يصلون في مسجده فأراد الناس منعهم فقال رسول الله دعوهم، فاستقبلوا المشرق فصلوا صلاتهم.(12)

امام ابن اسحاق سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ میں نجران کے عیسائیوں کا وفد ملاقات کے لیے آیا۔ محمد بن جعفر بن الندی بن الندی بیان کرتے ہیں کہ یہ وفد نمازِ عصر کے بعد مسجد نبوی میں آپ ﷺ کے پاس پہنچا۔ان کی عبادت کا وقت ہو گیا تو وہ اپنی مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لیے مسجد نبوی میں ہی کھڑے ہو گئے ۔لوگوں نے انہیں روکنا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انہیں چھوڑ دو (نہ روکو)، چنانچہ انہوں نے مشرق کی سمت رخ کیا اور (پوری آزادی کے ساتھ) اپنی مذہبی رسومات بجالائے (یعنی اپنی نماز پڑھی۔

سورہ الحج کی آیہ کی تفسیر میں امام ابکر الجصاص (ھ۔ ھ) لکھتے ہیں کہ :

في الآية دليل على أن هذه المواضع المذكورةَ لا يجور أن تُهْدمَ على مَنْ كان له ذمةٌ أو عهد من الكفار.(13)

اور آیت میں اس بات پر بھی دلیل موجود ہے کہ مذکورہ جگھوں (یعنی عبادت گاہوں) کا گرانا جائز نہیں اگرچہ وہ غیر مسلم شہریوں ہی کی ہوں۔

اسلامی ریاست کا فریضہ ہے کہ انہیں کامل تحفظ فراہم کرے۔ ہر قوم اپنی اقدار کا تحفظ کرتی ہے، اپنی روایات اور ثقافت کو فروغ دینا اس کا جمہوری حق ہے۔ چنانچہ مذہبی اختلافات کے باوجود مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ غیر

مسلموں کی عبادت گاہوں کا تحفظ کریں۔ مسلم اکثریتی علاقوں میں بھی واقع غیر مسلم شہریوں کی عبادت گاہوں کو مسمار کرنے کی سختی سے ممانعت ہے بلکہ ان کا تحفظ اسلامی ریاست کا آئینی فرض ہے۔

امام جصاص (ھ۔   ھ) نے احکام القرآن میں محمد بن الحسن کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :

في أرض الصلح إذا صارتْ مصرا للمسلمين، لم يُهدم ما كان فيها من بيعةَ أو كنيسة أو بيت نار.(14)

صلح کی سرزمین پر جب مسلمانوں کا کوئی شہر بن جائے تو اس میں بھی پائے جانے والے گرجے، کلیسے یا آتش کدے ہر گز گرائے نہیں جائیں گے۔

الغرض اسلام ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم اپنے وطن میں موجود غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کا ہر لحاظ سے تحفظ کریں اور انہیں ان کی عبادت گاہوں میں آزادانہ عبادت کا موقع فراہم کریں۔

رواداری اور مجادلہ احسن کے اصول اور اس کی حکمتیں

دوسرے مذاہب کے عقائد و اعمال کو غلط سمجھتے ہوئے بھی برداشت کریں اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک روا رکھا جائے۔اس میں مضمر حکمتیں ہیں جیسا کہ تمام مذاہب میں اگر رواداری اور احترام کا جذبہ پیدا ہو ،تو مذاہب کے درمیان بہترین ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے۔مگر یک طرفہ طور پر اس طرح کی ہم آہنگی ممکن نہیں۔جس طرح اسلام نے اپنی بالادستی کے دور میں اقلیتوں اور ماتحتوں کے ساتھ ایک مثالی سلوک کیا،آج بھی اس طرح کی پہل عالمی طاقتوں کی جانب سے اپنے مفتوح اور زیرِ دست اقوام کی طرف ہو گی تو بہترین قسم کی ہم آہنگی کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔

مجادلہ احسن۔پہلے بتایا گیا ہے کہ ہر مذہب کے پیروکاروں کو اپنا مذہب عزیز ہوتا ہے اور اسے وہ بر حق سمجھتا ہے۔ چنانچہ بعض اوقات اسے سچا ثابت کرنے کے لیے بحث و مباحثہ سے واسطہ پڑتا ہے۔عام طور سے اس طرح کے Debates میں فریقِ مخالف کی تذلیل و تحقیر کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا جاتا۔قرآنِ کریم بین المذاہب مباحثوں کے لیے جو اصول پیش کرتا ہے وہ شائستگی پر مبنی ہے،وہ دلیل کے زور پر بات کرنے کی دعوت دیتا ہے۔قرآنِ کریم میں ہے:

﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾(15)

اور تم اہلِ کتاب کے ساتھ مباحثہ نہ کرو مگر عمدہ طریقے کے ساتھ۔

یہ احسن طریقہ کیا ہے،اسے دوسری جگہ یوں واضح کیا گیا ہے:

﴿اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ،وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾(16)

تم اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو،اور لوگوں کے ساتھ بہترین طریقے سے مباحثہ کرو

یہ عمدہ اور بہترین طریقہ کیا ہے ،صاحبِ تفہیم القرآن کے الفاظ میں یہ ہے کہ مباحثہ معقول دلائل کے ساتھ ،مہذب و شائستہ زبان میں ،اور افہام و تفہیم کی سپرٹ میں ہونا چاہیے تاکہ جس شخص سے بحث کی جارہی ہو اس کے خیالات کی اصلاح ہو سکے۔ مبلغ کو فکر اس بات کی ہونی چاہیے کہ وہ مخاطب کے دل کا دروازہ کھول کر حق بات اس میں اتار دے اور اسے راہِ راست پر لے آئے۔اس کو ایک پہلوان کی طرح نہیں لڑنا چاہیے جس کا مقصد اپنے مدِ مقابل کو نیچا دکھانا ہوتا ہے۔ بلکہ اس کو ایک حکیم کی طرح چارہ گری کرنی چاہیے جو مریض کا علاج کرتے ہوئے ہر وقت یہ بات ملحوظ رکھتا ہے کہ اس کی اپنی کسی غلطی سے مریض کا مرض اور زیادہ نہ بڑھ جائے ،اور اس امر کی پوری کوشش کرتا ہے کہ کم سے کم تکلیف کے ساتھ مریض شفاء یاب ہو جائے۔(17)

اس میں یہ حکمت ہے کہ اگر آپ کا طرزِ عمل اچھا ہے تو مخالف فریق متاثر ہوگا۔ جہاں تک دلیل سے بات کرنے کا تعلق ہے تو اوپر کی آیات کے سیاق و سباق کے حوالے سے نجران کے وفد کے ساتھ جو مباحثہ عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت والوہیت کے بارے میں ہوا،اس میں قرآن کا استدلال ملاحظہ کیجیئے :

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُمِنتُرَابٍثُمَّقَالَلَهُكُنفَيَكُونُ﴾(18)

بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے ہاں آدم کی طرح ہے،اسے مٹی سے پیدا کیا پھر اسے کہا کہ ہو جا، سو وہ ہو گیا۔

یعنی عیسائیوں کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ کے پیدا ہونا اس کی ابنیت والوہیت کی دلیل تھی۔اس کا جواب قرآن کی جانب سے یہ دیا گیا کہ عیسیٰ کی پیدائش اور آدم کی معجزانہ پیدائش میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ بلکہ آدم کی پیدائش تو مسیح کی بن باپ پیدائش سے زیادہ معجزانہ ہے ، کیونکہ وہ تو ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوا ہے۔اب اگر آدم بن ماں باپ پیدا ہو کر ابنیت والوہیت کا مقام حاصل نہیں کر سکا ہے ،تو پھر عیسیٰ کیسے خدا ابن سکتا ہے ؟

اس مدلل بحث کا انداز دیکھیے کہ ایک طرف تو مسکت جواب دیا گیا ہے ،جب کہ دوسری طرف فریقِ مخالف کی تذلیل و تحقیر کا بھی کوئی پہلو اس میں نظر نہیں آتا۔

مذہب کی تاریخ اور ارتقاء کی بحث

غیر مسلم مفکرین کی رائے یہ ہے کہ انسان نے توحید کے تصور تک پہنچنے کے لیے ایک طویل سفر طے کیا ہے۔ان کے نزدیک یہ سفر لاکھوں سال پر محیط ہے۔ان کی رائے یہ ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے ارواح پرستی کا آغاز ہوا ،پھر مظاہر پرستی متعارف ہوئی۔بعد ازاں ٹوٹم پرستی (جانوروں کی پوجا) کا دور شروع ہوا۔پھر اجداد پرستی نے جنم لیا۔اس کے بعد اصنام پرستی (بتوں کی پوجا) کا دور دورہ ہوا۔ان سب مراحل سے گزر کر پھر انسان توحید تک پہنچا ہے۔جب کہ اسلامی مفکرین کی رائے یہ ہے کہ دنیا کا سب سے پہلا انسان توحید کا ہی علمبردار تھا۔پھر اس کی نسل سے انبیاء ورسل کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ہر نبی اور رسول کی تعلیمات کا نکتہ ماسکہ نظریہ توحید ہی تھا۔یہ الگ بات ہے کہ توحید کا یہ تصور ،مختلف ادوار میں دھندلا ہوتا رہا۔انسان اس تصور سے دور ہو کر شرک اور بت پرستی کے افعال کرتا رہا۔ایسا اس وقت ہوتا تھا جب پیغمبروں کی تعلیمات کو یا تو جھٹلا دیا جاتا یا پھر انہیں فراموش کر دیا جاتا۔

قرآنِ حکیم میں انسانی معاشرے کے آغاز ،اس کی ابتدائی تنظیم اور انسانی تاریخ کے اہم سنگ ہائے میل کے بارے میں کئی مقامات پر ،بہت اہم تبصرے کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر مستفیض احمد علوی لکھتے ہیں کہ کائنات کو تخلیق کرنے اور زمین کو انسانی زندگی کے لیے موزوں بنانے کے لیے ،پہلے انسان اور پہلے نبی ،آدم علیہ السلام کو زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب بنایا گیا۔شعور وفہم اور علم وعقل سے نواز کر دنیا میں اختیارات اور ذمہ داریاں سونپ کر بھیجا گیا۔ابنِ آدم کو اللہ نے زندگی کی نعمت کے ساتھ ارادہ واختیار کی طاقت بخشی۔ صحیح وغلط کی تمیز بھی عطا کی ،اور صحیح کی طرف راہنمائی بھی کی۔اسے دنیا میں اختیارات دے کر امین بنایا اور مہلتِ عمل بھی عطا کی۔اسی میں اس کی آزمائش رکھ دی گئی ہے کہ وہ حسنِ عمل کر کے انعام پاتا ہے یا بد اعمالیاں کر کے سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔(19)

پہلے آدم وحوا کا مسکن جنت تھا بعد میں انہیں زمین پر تہذیب وتمدن کے آغاز وارتقاء کے لیے بھیج دیا گیا:

﴿قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾(20)

اور ہم نے کہا کہ یہاں (جنت) سے نیچے اتر آؤ (اور یاد رکھو) جب میری طرف سے تمہاری طرف ہدایت (نبی اور کتاب) آئے تو جو کوئی اس کی پیروی کرے گا اس کو کسی قسم کا رنج اور خوف نہیں ہوگا۔

انسانی تہذیب کا آغاز ایک خاندان سے ہوا، پھر قبیلے اور قومیں بنائی گئیں۔یوں تمدن وسعت پذیر ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا﴾(21)

اے بنی آدم ! ہم نے تمہیں ایک (جوڑے) مرد اور عورت سے پیدا کیا پھر تمہارے قبیلے اور برادریاں بنادیں تاکہ تمہیں ایک دوسرے کی شناخت رہے۔

شروع میں بنی نوع انسان ایک ہی نظریہ حیات پر کار بند تھے، پھر ان کے رہن سہن میں تبدیلیاں آتی گئیں اور دوسری طرف ان کے نظریات زندگی میں اختلاف رونما ہوتے گئے۔ خالقِ کائنات کی طرف سے، انسانیت کی اصلاح کے لیے، ہر دور میں پیغمبر مبعوث ہوتے رہے، جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایات، کتابوں کی شکل میں نازل کیں تاکہ انسانیت سیدھے راستے پر چلتی رہے:

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ﴾(22)

انسان (شروع) میں ایک ہی امت تھے، اور اللہ نے اپنے پیغمبر بھیجے جو (اہلِ ایمان کے لیے) خوش خبریاں لائے اور (انکار کرنے والوں کے لیے) بُرے انجام کی خبریں۔ پھر اس نے حق کے ساتھ کتاب نازل کی تاکہ فیصلہ ہو سکے ان معاملات میں جن میں انسان اختلاف کرتے تھے۔

گویا اس آیت میں دین کی اصل کا اعلان ہے کہ ابتداء میں سب انسان ایک ہی قوم و جماعت تھے اور فطری زندگی کی سادگی پر قانع تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ نسلِ انسانی کی کثرت و وسعت سے طرح طرح کے تفرقے پیدا ہو گئے اور تفرقے کا نتیجہ ظلم و فساد کی صورت میں ظاہر ہوا تب وحیِ الٰہی نمودار ہوئی اور یکے بعد دیگرے اللہ تعالیٰ کے رسول مبعوث ہوتے رہے۔ ہر رسول کی دعوت کا مقصد ایک ہی تھا یعنی خدا پرستی اور نیک عملی کی تلقین اور تفرقہ و اختلاف کی جگہ وحدت و اجتماع کا قیام۔ کتاب اللہ ہمیشہ اس لیے نازل ہوئی تاکہ دین کے تفرقہ و اختلاف میں فیصلہ کرنے والی ہو اور لوگوں کو وحدتِ دین کی اصل پر متحد کر دے۔

ہر قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی بھیجے جو انہیں ہدایت و راہنمائی سے سرفراز کرتے رہے، کچھ لوگوں نے ہدایت کو قبول کیا اور رحمتِ الٰہی کے حقدار ہوئے تو کچھ نے انکار کر کے اپنے مقدر میں گمراہی لکھ لی۔ انسانوں کی ایسی قومیں ماضی کا قصہ اور عبرت کا نشان بن کے رہ گئیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ﴾(23)

اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ خدا ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔ تو ان میں بعض ایسے ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی اور بعض ایسے ہیں جن پر گمراہی ثابت ہوئی۔ سو زمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔

عماد الحسن آزاد فاروقی لکھتے ہیں کہ آج یہ محسوس کیا جاسکتا ہے کہ ان مصنفین کے نظریے زیادہ تر ان کے مفروضات اور دوسرے مذاہب سے متعلق کم یاب اور محدود معلومات پر مبنی تھے۔[24]

الغرض مذہب کے ارتقاء کے بارے میں اسلامی مفکرین کی رائے یعنی مذہب کا الہامی یا اسلامی تصور زیادہ قرینِ صواب ہے۔ یہ رائے زیادہ صائب ہے کہ اس کی بنیاد وحیِ الٰہی پر ہے۔ دنیا کے تین بڑے مذاہب، یہودیت، عیسائیت اور اسلام، یہی نظریہ پیش کرتے ہیں۔ جب کہ غیر مسلم مفکرین کی رائے محض عقل پر مبنی ہے۔ انسانی سوچ ٹھوکر کھا سکتی ہے لیکن وحی ایک ایسا مستند ماخذ ہے جس کے حقائق کو جھٹلانا ناممکن ہے۔ غیر مسلم مفکرین کی رائے میں اتنا سچ ضرور ہے کہ انسانی تاریخ میں شرک کے یہ مختلف مناظر دکھائی دیتے رہے ہیں۔ کتبِ مقدسہ خصوصاً قرآنِ حکیم سے بھی ایسی مثالیں دی جاسکتی ہیں کہ دنیا کی مختلف قومیں ایسے شرک کا ارتکاب کرتی رہی ہیں۔ البتہ ان کی رائے میں وزن نہیں ہے کہ آغازِ انسانیت میں انسان توحید کے عقیدہ سے بالکل آگاہ نہیں تھا۔ عقیدہ توحید انسانی تاریخ کے ہر دور میں موجود رہا ہے۔

تقابلِ ادیان کی حقیقت

تقابلِ ادیان کا باقاعدہ آغاز قرآنِ حکیم نے کیا۔ جب قرآنِ حکیم کا نزول ہوا تو اس وقت عرب کے علاقہ اور اس کے ملحق علاقوں میں متعدد مذاہب رائج تھے۔ یہودیت، عیسائیت، صابئیت، مجوسیت، بت پرست، ہر ایک کے پیرو عرب کے کسی نہ کسی حصے میں ضرور موجود تھے۔ اس لیے قرآنِ حکیم میں اگر اسلام کے اصول و عقائد، احکام و حدود اور اس کی شریعت کی تفصیلات دی گئی ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ مذکورہ بالا مذاہب کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ قرآنِ حکیم میں ان مذاہب کے اصول و عقائد اور ان کے پیروؤں کے خیالات، رسوم اور ان کی تاریخ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

عرب زیادہ تر بت پرست تھے۔ ہر قبیلے کا اپنا ایک بت تھا، جس کی وہ پرستش کرتا تھا۔ مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کو ایک بڑے بت خانے میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ بت ان کی مدد کرتے ہیں۔ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ ان میں سے بعض سورج، چاند اور ستاروں کی بھی پرستش کرتے تھے۔ یہودی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آخری نبی ہیں، ان کی شریعت میں نہ تبدیلی ہو سکتی ہے، اور نہ ہی وہ منسوخ ہو سکتی ہے۔ ان لوگوں نے تورات میں تحریف کی۔ متعدد انبیاء کو جھٹلایا۔ عیسائی ابتداء میں توحید کے قائل تھے۔ لیکن زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں شرک کی بیماری پیدا ہو گئی۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ قرار دینے لگے، اور تثلیث (تین خداؤں کا

تصور) کے قائل ہو گئے۔انہوں نے انجیل کے بعض حصوں میں تحریف کی۔صابئین کا ذکر قرآنِ حکیم میں تین جگہ آیا ہے ،مجوس کا صرف ایک جگہ ، لیکن ان دونوں میں سے کسی کے خیالات اور عقائد کے متعلق قرآن نے کچھ نہیں کہا ہے۔[25]

ان مختلف مذاہب اور عقائد کے لوگوں میں ،قرآن کے نزول کا آغاز ہوا۔قرآنِ حکیم نے پہلے انبیاء و رسل کی تصدیق کے ساتھ ساتھ ،ان کے پیروؤں نے جو غلطیاں کی تھیں ان کی تصحیح بھی کی۔قرآن نے یہودیوں کو بتایا کہ جبرائیل بھی خدا کے فرشتے ہیں [26]۔حضرت مریم پاک دامن خاتون تھیں ،اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقدس نبی تھے۔[27]قرآنِ حکیم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی تصدیق کی۔قرآن نے عیسائیوں کے اس عقیدہ کی تردید کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے تھے یا اس کے شریک تھے۔[28]

ان تمام بیانات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں صرف اسلامی شریعت ہی کو بیان نہیں کیا گیا بلکہ بعض دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے عقائد و نظریات بھی زیر بحث لائے گئے ہیں۔اس لیے قرآنِ حکیم کو بعض مذاہب کے تقابلی مطالعے ،اور دینی تحقیق کے متعلق بھی پہلی کتاب کہا جا سکتا ہے۔

قرآنِ حکیم کے بعض مذاہب کے تجزیے کا مطالعہ کرنے سے کئی اصول و حکم سامنے آتے ہیں۔مثال کے طور پر یہود کے ہاں نجات اعمال صالحہ کی بجائے بنی اسرائیل میں مختص کر دی گئی ہے۔ان کا عقیدہ ہے کہ صرف یہودی جنت میں جائیں گے خواہ ان کے اعمال کیسے ہی ہوں۔کیونکہ وہ انبیاء کی اولاد اور اللہ کی لاڈلی قوم ہیں۔ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَقَالُوالَنْتَمَسَّنَاالنَّارُإِلَّاأَيَّامًامَعْدُودَةًقُلْأَتَّخَذْتُمْعِنْدَاللَّهِعَهْدًافَلَنْيُخْلِفَاللَّهُعَهْدَهُأَمْتَقُولُونَعَلَىاللَّهِمَالَاتَعْلَمُونَ ٥ بَلَىمَنْكَسَبَسَيِّئَةًوَأَحَاطَتْبِهِخَطِيئَتُهُفَأُولَئِكَأَصْحَابُالنَّارِهُمْفِيهَاخَالِدُونَ﴾[29]

اور انہوں نے کہا ہرگز نہ چھوئے گی ہمیں (دوزخ کی) آگ بجز گنتی کے چند دن آپ فرمایئے کیا لے رکھا ہے تم نے اللہ سے کوئی وعدہ تب تو خلاف ورزی نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی یا (یونہی) بہتان باندھتے ہو اللہ پر جو تم جانتے ہی نہیں، ہاں (ہمارا قانون یہ ہے) جس نے جان کر برائی کی اور گھیر لیا اس کو اس کی خطاء نے تو وہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں

اس سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ نجات اعمال صالحہ کی بنیاد پر ہو گی۔کہیں قرآن حکیم ان سے دلیل طلب کرتا ہے۔ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تِلْكَأَمَانِيُّهُمْقُلْهَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾[30]

اور انہوں نے کہا نہیں داخل ہو گا جنت میں (کوئی بھی) بغیر ان کے جو یہودی ہیں یا عیسائی یہ ان کی من گھڑت باتیں ہیں آپ (انہیں) فرمایئے لاؤ اپنی کوئی دلیل اگر تم سچے ہو۔

قرآن حکیم کہیں ان کے عقائد کا بیان اور اس کا رد کرتا ہے۔ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَقَالَتِالْيَهُودُعُزَيْرٌابْنُاللَّهِوَقَالَتِالنَّصَارَىالْمَسِيحُابْنُاللَّهِذَٰلِكَقَوْلُهُمْبِأَفْوَاهِهِمْيُضَاهِئُونَقَوْلَالَّذِينَكَفَرُوامِنْ قَبْلُقَاتَلَهُمُاللَّهُأَنَّىٰيُؤْفَكُونَ﴾(31)

اور کہا یہود نے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور کہا نصرانیوں نے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔یہ ان کی (بے سر وپا) بات ہے ان کے مونہوں سے نکلی ہوئی نقل اتار رہے ہیں ان لوگوں کے قول کی جنہوں نے کفر کیا پہلے، ہلاک کرے انہیں اللہ تعالیٰ ،کدھر بھٹکے چلے جا رہے ہیں۔

کہیں قرآن حکیم ان کے مذہب کی تاریخ اور ان کے تضادات کو واضح کرتا ہے۔یہود و نصاریٰ کہتے تھے کہ ہم ملت ابراہیم پر ہیں۔ارشاد خداوندی ہے:

﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يه مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾(32)

(نہ تھے ابراہیم یہودی نہ نصرانی بلکہ وہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے مسلمان تھے،اور نہ ہی وہ شرک کرنے والوں میں سے تھے)

قرآن حکیم اہل کتاب کی تعریف بھی کرتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾(33)

(بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور جو نصاریٰ اور صابی (تھے ان میں سے) جو (بھی) اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے اچھے عمل کیے،تو ان کے لیے ان کے رب کے ہاں ان کا اجر ہے،ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے)

مطالعہ تقابل ادیان کے دوران اگر کسی دین کی کوئی خوبی سامنے آتی ہے تو اسے بلا تکلف سراہا جائے۔نیز اگر کوئی خامی ہے تو اسے دلیل و برہان سے رد کیا جائے تاکہ حق تک رسائی ممکن ہو۔اسی طرح یہ سنہری اصول تعلیم کیا گیا ہے کہ

مختلف مذاہب کے ساتھ مکالمہ کیا جائے اور اس مکالمے میں دیگر مذاہب کو یہ دعوت دی جائے کہ باہم مشترک نکات پر جمع ہو جائیں اور وہ اقدار اپنا لیں جو سب عقائد میں ایک جیسی ہیں۔ارشاد خداوندی ہے:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ فَإِنتَوَلَّوْافَقُولُوااشْهَدُوابِأَنَّامُسْلِمُونَ﴾(34)

اے نبی ﷺ اہل کتاب کو کہہ دیجئے کہ آو اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ تعالی کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو رب نہ بنائے پھر اگر وہ اعراض کریں تو آپ کہہ دیں کہ لوگوں گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔

اس آیت میں اہل اسلام کو حکم دیا جارہا ہے کہ دیگر مذاہب کو باہمی اتفاق واشتراک کی دعوت دی جائے اور اس اتحاد کی بنیاد مشترک عقائد کو بنایا جائے۔دوسرا اصول بیان ہورہا ہے کہ اہل کتاب کو دعوت ایسے نظریے کی طرف دی جائے جو قرآن اور ان کے درمیان یکساں ہے۔اور وہ کلمہ صرف اللہ کی بندگی بجالانا،اس کے ساتھ شرک نہ کرنا،اور ایک دوسرے کو رب نہ بنانا ہے۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ اگر وہ اس بات سے انکار کردیں کہ وہ صرف اللہ وحدہ کی بندگی کریں گے ،اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔تو تم اس کے مطابق اپنے اسلام کا اعلان کردو۔

الغرض جب قرآن مجید کا نزول شروع ہوا تو اس نے اپنے دور کے مروجہ مذاہب کے باطل عقائد کا رد کیا اور تاریخی شواہد کی روشنی میں ثابت کیا کہ ان مذاہب کی اصل تعلیمات حق اور توحید پر مبنی تھیں۔اور بعد ازیں ان کے پیروکاروں نے اپنے مفاد کی بناء پر ان میں باطل عقائد کی آمیزش کی۔قرآن حکیم عقلی اور نقلی دلائل سے انسانی ضمیر کو جھنجھوڑتا اور صراط مستقیم دکھاتا ہے۔قرآن حکیم نے واضح طور پر یہ حقیقت بیان کی ہے کہ دین اسلام کا آغاز ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان اور پہلے نبی بھی تھے۔ابتداء سے ہمیشہ دین اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ،رسالت اور حیات بعد الممات یا معاد کے عقائد اور اعمال صالحہ کا مجموعہ رہا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی مہرباں ﷺ تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام ایک ہی دین کے داعی اور مبلغ تھے۔فروعی مسائل اور شرائع وقت کی ضرورت اور تقاضوں کے مطابق مختلف رہی ہیں مگر اصولی تعلیماتیکساں رہی ہیں۔

مذہب، فلسفہ اور سائنس

حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے تقریباً چار سو سال قبل یونان نے علم و حکمت میں خوب ترقی کی۔اس سرزمین میں افلاطون اور ارسطو جیسی نابغہ روزگار شخصیتوں نے جنم لیا۔ یہاں غور و فکر اور تحقیق و تفحص پر کوئی پابندی نہ تھی۔چنانچہ یونانی حکماء نے کائنات سے متعلق مختلف اور متعدد نظریات پیش کیے۔یہ لوگ اگرچہ اپنی فکر کو تجربی طریق

سے ثابت کرنے کے عادی نہ تھے، تاہم انہوں نے آزادانہ غور و فکر سے کافی علمی مواد باہم پہنچایا۔ جب قدیم یونانی سلطنت زوال پذیر ہوئی اور اہل روم اور اہل کارتھیا کی طویل آویزش رومیوں کی فتح پر منتج ہوئی، تو سلطنت کے طول و عرض میں عیسائیت کے فروغ کے لیے راہ ہموار ہو گئی۔ مسیحی تحریک نے رفتہ رفتہ ایشیائی کوچک، قبرص، یونان، اٹلی، فرانس اور برطانیہ وغیرہ ممالک پر بھی اپنا تسلط جما لیا۔ مسیحیوں نے مسیح کی تعلیمات کا حلیہ بگاڑ دیا۔ انہوں نے اپنی دنیاوی اغراض کی خاطر الہامی تعلیمات میں اپنی پسند و ناپسند کے مطابق ترمیم و اضافہ اور تحریف و تبدیلی کر لی۔

عیسائیت سازی کے دوران اہلِ کلیسا نے جہاں اللہ کی کتاب کو اپنے مفادات کے تابع کیا، وہاں یونانیوں کے بہت سے بے سروپا تخیلات کو مذہبی تقدس کا رنگ دے کر اناجیل کا حصہ بنا دیا۔ صرف اسی پر بس نہیں بلکہ ان باتوں کو مسلمہ الہامی تعلیمات کے طور پر اپنے زیرِ اثر ممالک میں پھیلایا گیا۔ کسی فرد کو اجازت نہ تھی کہ وہ ان تعلیمات پر بحث کرے اور ان کے خلاف زبان کھولے۔ وہ لوگ جو آزادانہ غور و فکر سے اپنے نظریات پیش کرتے یا ایسی کتابیں شائع کرتے جن میں مندرج باتیں انجیلِ مقدس کی تعلیمات سے متصادم ہوتیں، ان کو سخت سزائیں دی جاتیں اور کتابیں ناجائز قرار دے کر ضبط کر لی جاتیں یا ان کو جلا دیا جاتا۔

اہلِ کلیسا کے مظالم کے باوجود اہلِ سائنس نے اپنا کام جاری رکھا۔ بالآخر مسیحیت نے سائنسدانوں کے بے پناہ عزم و ثبات کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ سائنس پورے طمطراق کے ساتھ میدان میں اتری اور مذہب کو علم و سائنس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ تصور کرتے ہوئے مسترد کر دیا گیا۔

سائنس دانوں پر اہلِ کلیسا کے مظالم کی وجہ سے یورپ کے علمی حلقوں میں عیسائیت کے خلاف شدید ردِ عمل پیدا ہوا۔ عیسائی مذہب چونکہ بہت سی بے سروپا روایات اور غیر سائنسی تعلیمات کو ماننے پر مجبور کرتا تھا۔ مشاہدہ۔ تجربہ اور آزادانہ غور و فکر پر قدغن لگاتا تھا، جبکہ سائنس کا دار و مدار ہی غور و فکر اور مشاہدہ و مطالعہ فطرت پر ہے، چنانچہ پڑھے لکھے لوگ مذہب سے بیزار ہو گئے۔ اگرچہ یہ بیزاری اصولاً مذہب کے خلاف نہیں بلکہ عیسائیت کے خلاف ہونا چاہیے تھی، جو اپنی خامیوں اور نقائص کی بناء پر اس کی ذمہ دار تھی، مگر چونکہ یورپ میں عیسائیت ہی مذہب کی نمائندہ تھی، لہٰذا مسیحیت سے بیزاری مذہب اور خدا سے بیزاری پر منتج ہوئی۔

سائنس اور عیسائیت کے تضاد و تصادم اور عیسائیت کے نقائص آشکارہ ہو جانے کے بعد سائنسدان مذہب و خدا سے کنارہ کش ہو کر مادی نظریات سے وابستہ ہو گئے۔ ان میں سے اکثر مذہبی مسائل سے محض لاتعلقی اور نفرت کا جذبہ رکھتے ہیں، اور مذہب کو اوہام و خرافات پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ مغرب میں مذہب و سائنس پر گفتگو کرتے ہوئے یہودیت و عیسائیت کے ذکر پر قناعت کی جاتی ہے اور اسلام کے بارے میں مشکل ہی سے سوچا جاتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک اسلام بدرجہ اولیٰ اوہام و خرافات پر مبنی، غیر صحیح اور سائنس سے متصادم ہے۔

موریس بکائے(Maurice Bucaille:1920-1998)لکھتے ہیں:

> The majorities of today scientists with a small number of exceptions of course, are indeed bound up in materialist theories and have only indifference or contempt for religious questions which they often consider to be founded on legend. In the west moreover, when science and religion are discussed, people are quite willing to mention Judaism and Christianity among the religions referred to, but they hardly ever think of Islam. So many false judgments based on inaccurate ideas have indeed been made about it, that today it is very difficult to form an exact notion of the reality of Islam.(35)

(آج کے سائنس دانوں کی بڑی تعداد بے شک مادہ نظریات میں جکڑی ہوئی ہے اور انھیں مذہبی سوالات کے بارے میں صرف بے حسییا حقارت ہے جس کو وہ اکثر افسانہ کی بنیاد پر ہی مانتے ہیں۔اس کے علاوہ مغرب میں جب سائنس اور مذہب پر تبادلہ خیال کیا جاتا ہے تو،لوگ مذاہب کے مابینیہودیت اور عیسائیت کاتذکرہ کرنے کے لئے کافی راضی ہیں، لیکن وہ شاید ہی کبھی اسلام کے بارے میں سوچتے ہیں۔اس کے بارے میں غلط نظریات پر مبنی بہت سارے غلط فیصلے واقعی ہوئے ہیں، کہ آج اسلام کی حقیقت کا قطعی تصور قائم کرنا بہت مشکل ہے۔)

اس کے باوجود کہ دینِ اسلام عیسائیت کے تمام نقائص سے پاک تھا،بہت سے مسلمان مغرب کی کورانہ تقلید میں مذہب کے خلاف علمی تعصب کا شکار ہو کر مذہب اور خدا کے عقیدے کو سائنس سے الگ رکھنے پر مصر نظر آنے لگے اور اپنے دینِ مبین کی عظمت کو فراموش کر بیٹھے۔

اکثر مغربی سائنسدانوں اور ان کے اندھے مسلم مقلدین کے تصورات کے برعکس اسلام کا سائنس یا دیگر تجربی علوم سے کوئی تصادم نہیں بلکہ ،قرآنِ حکیم میں حق تعالیٰ نے اربابِ دانش کو اپنے تخلیق میں غور و فکر کی تاکید کی ہے، جس سے سائنسی علوم کے حصول کی ترغیب ملتی ہے۔قرآن کے نقطہ نظر سے کائنات میں تفکر وتدبر اور اس کے اسرار ورموز سے واقفیت ایمان ویقین میں پختگی کا باعث ہے۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی (-)لکھتے ہیں کہ یہ کہنا کہ سائنس تو ایک عالمگیر چیز ہے اس کا کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔فی الواقع بڑی نا فہمی کی بات ہے۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ سائنس کا کوئی شبہ ایسا نہیں ہے جو انسانوں کے دل میں ایمان کو گہری جڑوں سے رائج کرنے والا نہ ہو۔فزکس ،کیمسٹری ،بیالوجی ۔اناٹومی ۔اسٹرانومی غرض جس علم کو بھی دیکھیں اس میں ایسے حقائق سامنے آتے ہیں جو انسان کو پکا اور سچا مومن بنا دینے کے لیے کافی ہے۔سائنس کے حقائق سے بڑھ کر آدمی کے دل میں ایمان پیدا کرنے والی کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔یہی تو وہ آیات

الٰہی ہے جن کی طرف قرآن بار بار توجہ دلاتا ہے مگر صرف اس وجہ سے کہ کافر سائنسدانوں نے ان حقائق کو اپنے نقطہ نظر سے مرتب اور بیان کیا ہے ،انہیں پڑھ کر آدمی الٹا مادہ پرست اور ملحد بنتا ہے اور خدا کے تصور پر ہنستا اور مذاق اڑاتا ہے (36)۔

اسلام اور سائنس کے قریبی تعلق ،جدید سائنس کے نقطہ نگاہ سے قرآن کی عظمت اور سائنسی معلومات سے اس کے بہتر فہم کا ذکر کرتے ہوئے موریس بکائے (Maurice Bucaille:1920-1998) لکھتے ہیں:

> It comes as no surprise, Therefore, to learn that religion and science have always been considered to be twin sisters by Islam and that today, at a time when science has takes such great strides, they still continue to be associated. And further more certain scientific data used for the better understanding of the Quranic text.(37)

(یہ تعجب کی بات نہیں ہے، لہذا، یہ جاننے کے لئے کہ اسلام کے ذریعہ مذہب اور سائنس کو ہمیشہ ہی جڑواں بہنیں سمجھا جاتا رہا ہے اور آج، ایسے وقت میں جب سائنس نے اس طرح کی بڑی پیش قدمی کی ہے، وہ اب بھی وابستہ ہیں۔اور مزید کچھ سائنسی اعداد و شمار جو قرآنی متن کی بہتر تفہیم کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔)

دورِ جدید کے کئی مغربی مفکرین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ سائنس اور مذہب باہم متضاد نہیں بلکہ دونوں کاآپس میں گہرا ربط ہے۔وہ محسوس کرتے ہیں کہ سائنس کو خدا کے عقیدہ اور اس عقیدہ کے تحت اخلاقی قدروں کے ساتھ مربوط ہونا چاہیے۔یہ قرآنِ حکیم کی طرف ایک غیر شعوری جھکاؤ ہے۔

علامہ اقبالؒ (-) کے نزدیک مذہب اور سائنس دونوں کا مقصد سچائی اور حقیقت کی تلاش ہے۔آپؒ لکھتے ہیں:

> The truth is that the religious and scientific processes, though involving different methods, are identical in their final aim at reaching the most real.(38)

(سچ یہ ہے کہ مذہبی اور سائنسی عمل، اگرچہ مختلف طریقوں سے وابستہ ہیں، حتمی مقصد تک پہنچنے کے آخری مقصد میں یکساں ہیں۔)

تجربہ وہ ہتھیار ہے جس کی مدد سے ایک سائنسدان کسی فرضیے کو درست یا غلط ثابت کرتا ہے۔اس کے مقابلے میں ایک فلسفی اپنے فرضیات کو ثابت کرنے کے لیے جو ہتھیار استعمال کرتا ہے ،اس کا نام تعقل Reasoning ہے ۔فلسفے کا دعویٰ یہ ہے کہ کائنات کے حقائق کو تعقل کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے اور تعقل ہی کی کسوٹی پر پرکھ کر کسی حقیقت

کی تائید یا تردید کی جاسکتی ہے۔اگرچہ فلسفہ سائنسی تجربے کو حقائقِ ہستی کی تائید و تردید میں کار گر سمجھتا ہے، لیکن اسے کائنات کے حقائق کے فہم و ادراک میں نہائی اختیار (Final Authority) نہیں دیتا۔دوسری جانب، سائنس کے پوجاریوں نے یہ تاثر قائم کرر کھاہے کہ حقائقِ ہستی کا شکار فقط تجربے کے ہتھیار ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ستم بالائے ستم یہ کہ ان کے گمان میں تجربے کا ہتھیار فقط سائنس کے پاس موجود ہے، کسی اور علم و فن کے پاس نہیں۔

مختلف علوم و فنون اور معانی و مفاہیم میں استعمال ہونے کے باوجود، تجربہ کی اصطلاح میں ایک جامع مفہوم پایا جاتا ہے۔کیونکہ خواہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی دنیا کے تجربات ہوں، یا صنعت، سیاست اور معاشرت کی دنیا کے تجربات ،خواہ تاریخی تجربات ہوں، خواہ دینی۔بہر صورت، ہر تجربے میں ایک مشترکہ بنیادی عنصر پایا جاتا ہے جس کا نام تائید اور تصدیق ہے۔کیونکہ سائنس کی دنیا میں ایک سائنسدان تجربے کے ذریعے اس یقین تک پہنچتا ہے کہ فلاں فرضیہ درست ہے۔صنعت کی دنیا میں تجربہ کے ذریعے یہ تائید حاصل ہوتی ہے کہ فلاں مصنوعات معیاری ہے۔اسلحہ سازی کی دنیا میں تجربات کے بعد تصدیق ہوتی ہے کہ فلاں ہتھیار کامیاب ہے۔

اس کے برعکس، تجربات ہی کی روشنی میں یہ یقین حاصل کیا جاتا ہے کہ فلاں فرضیہ نادرست ،فلاں مصنوعات غیر معیاری اور فلاں ہتھیار بے کار ہے۔اسی طرح تاریخی تجربات سے گزر کر بھی یقین کی اس منزل پر پہنچا جاسکتا ہے کہ فلاں رویہ ،ایک فرد یا قوم کی کامیابی کا سبب اور فلاں طور طریقہ ،افراد و اقوام کی تباہی اور ناکامی کا سبب ہے۔دینی تجربات کے نتیجے میں بھی کسی دینی حقیقت کے وجود یا عدم کا یقین حاصل کیا جاتا ہے۔پس تجربے کا تعلق خواہ کسی بھی علم و فن سے ہو ،اس میں یقین ،تائید اور تصدیق کا عنصر ،ایک بنیادی عنصر ہے جو کہ علم کی اعلیٰ ترین قسم کا نام ہے۔اگر تجربہ کی عام رائج اصطلاحی تعریف پر غور کریں تو یہ بھی اسی حقیقت کی ترجمانی کرتی ہے:

> The Process of gaining knowledge or skill, over some time through seeing and doing things rather than through studying.(39)

(اشیاء کے مطالعہ سے زیادہ،ان کے مشاہدے اور کام کے ذریعے ایک مخصوص مدت میں علم یا ہنر سیکھنے کے عمل کا نام تجربہ ہے۔)

اگرچہ تجربہ کی یہ تعریف،اس کے سائنسی مفہوم کی ترجمانی کرتی ہے،تاہم اس میں بھی علم کے حصول کو تجربے کا ماحصل بتایا گیا ہے ۔علم،علم ہے خواہ through seeing and doing thingsحاصل ہو ،خواہ through studying،خواہ ان دونوں کے علاوہ کسی تیسرے ذریعے سے حاصل ہو۔اور جہاں تک ہنر کا تعلق ہے تو وہ بھی علم کے بغیر ممکن نہیں۔کیونکہ اگرچہ ہنر کسی کام کے انجام دینے کی مہارت اور ٹیکنیک کا نام ہے، لیکن ہر مہارت کی بنیاد، علم پر استوار ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جان لاک(John Lake:1870-1935)اور ڈیوڈ ہیوم(David Hume:1711-1776)

نے کائنات کے بارے میں حواس کے ذریعے حاصل کردہ معلومات کو تجربہ قرار دیا ہے۔[40]

الغرض سائنس کی بنیاد تجربہ پر ہے اور فلسفہ کی بنیاد تعقل پر ہے۔ مگر انسانی عقل کی پرواز صرف وہیں تک ہوتی ہے جہاں تک حواس اپنا کام کرتے ہیں۔ چنانچہ جو حقیقت ہماری باصرہ، سامعہ، لامسہ، ذائقہ اور شامہ قوتوں کی دسترس سے باہر ہو اس کا ادراک عقل بھی نہیں کر سکتی۔ اسی لیے انسانی زندگی کی حقیقت سے متعلق انسانی سوالات اکثر تشنہ طلب رہتے ہیں۔

مثلاً یہ کہ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ انسان کو کس نے پیدا کیا؟ انسان کی تخلیق کیسے ہوئی؟ آغازِ کائنات کیسے ہوا اور اس کا اختتام کیسے اور کب ہوگا؟ اس کائنات سے اس کا تعلق کیا ہے؟ اس کائنات میں زندگی گزارنے کے لیے کون سے قانون کی پاسداری کی جائے؟ کون سی چیز اچھی ہے اور کون سی چیز بُری؟ ظلم کیا ہے اور انصاف کیا؟ مرنے کے بعد انسان کہاں جائے گا؟ آیا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا ہے یا ایک نئی زندگی کا آغاز کرتا ہے؟ اگر وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا ہے تو اس نظامِ زندگی کا مفہوم کیا ہے؟ مزید یہ کہ مرنے کے بعد اس سے کوئی جواب طلبی بھی ہوگی یا نہیں؟

یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جو انسانی ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ جن کا جواب نہ عقل کے پاس ہے اور نہ ہی فلسفہ کے پاس۔ ان تمام حواسِ ظاہری و باطنی کے علاوہ بھی اللہ رب العزت نے انسان کو ذریعہ علم کے طور پر ایک باطنی سرچشمہ بھی عطاء کر رکھا ہے، جسے وجدان کہتے ہیں۔ وجدان بعض ایسے حقائق کا ادراک کرنے میں بھی کامیاب ہو جاتا ہے جن میں حواسِ ظاہری و باطنی ناکام رہ جاتے ہیں۔ لیکن انسانی وجدان کی پرواز بھی محض طبیعی کائنات تک ہی محدود ہے۔

امامِ غزالی (ء- ء) اس سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ عقل کے بعد ایک اور ذریعہ ہے جس میں باطنی آنکھ کھل جاتی ہے۔ اس کے ذریعے غیبی (او جھل اور مخفی) حقائق اور مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کو دیکھا جا سکتا ہے اور ان دیگر امور کو بھی جن کے ادراک سے عقل قاصر رہتی ہے۔[41]

وجدان طبیعی کائنات کے مخفی حقائق کا ادراک کرنے پر قادر ہے لیکن وہ حقائق جو طبیعی کائنات کی وسعتوں سے ماوراء ہیں، جو خدا کی ذات و صفات سے متعلق ہیں اور انسانی تخلیق اور اس کے مقصدِ تخلیق، نیز اس کی موت اور مابعد الموت سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے بارے میں حتمی اور قطعی علم کے سلسلے میں وجدان بھی حواسِ خمسہ ظاہری اور عقل کی طرح قاصر ہے۔

انسانی زندگی کا فکری و شعوری ارتقاء کے سلسلے میں اللہ رب العزت نے حواسِ خمسہ ظاہری، عقل اور وجدان کو پروان چڑھایا اور انہیں حقیقت تک پہنچنے کے لیے ذریعہ بنایا۔ تاہم جو حقائق ان کی حدود سے ماوراء ہیں ان کے لیے علم بالوحی کی ضرورت اپنی جگہ مسلم ہے۔ ان حقائق سے آگہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے انسانیت کو ہدایت بخشی، اسی کا نام مذہب ہے۔

مظہریات

مظہریات کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ ہم چیزوں کی ماہیتِ حقیقی سے آگاہ نہیں ہو سکتے مگر چیزوں کے صرف ظواہر تک آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے:

We cannot know reality of the ultimate nature of things, but only appearances.(42)

مظہریات کے مطابق تمام علم مظہر (Phenomenon) تک محدود ہے، کیونکہ مظہر سے باہر اور اس کے علاوہ کوئی حقیقت نہیں پائی جاتی۔ اگر بفرض محال وہ موجود بھی ہے تو اس تک رسائی ناممکن ہے۔ اس فلسفیانہ طریقہ بحث کی بنیاد اس نکتہ پر ہے کہ حواس کی گرفت میں آنے والی اور قابل تصدیق سچائی ہی علم کہلانے کی حق دار ہے۔ اس طرح مظہر ایسا واقعہ، صورت حال یا تجربہ ہوتا ہے جو حواس سے متعلقہ ہو اور جس کی سائنسی توجیہ ہو سکے۔

مگر اس کے برعکس اسلامی تصور علم اور اس کی بنیادیں الگ ہیں۔ اسلام میں ذریعہ علم حواس کو بھی مانا گیا ہے، مگر حقیقی اور اصل علم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا ہو، کیونکہ حواس سے غلطی بھی ہو سکتی ہے، مگر الٰہی علوم میں غلطی نہیں ہو سکتی۔ اور اس الٰہی علم کو وحی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جن سے مراد الہامی کتب یعنی تورات، زبور، انجیل اور قرآنِ حکیم ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے محفوظ ترین کتاب قرآنِ حکیم ہے۔ جس میں چیزوں کی ماہیت حقیقی سے آگاہ کیا گیا ہے۔ علم اور حقیقتِ علم کا بھی بیان کیا گیا ہے۔

اَشرفُ المخلوقات بنی نوع اِنسان سے اللہ ربّ العزت کا آخری کلام حتمی وحی قرآنِ مجید کی صورت میں قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی آخری وحی ہے اور اُس کے بعد سلسلۂ وحی ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُس میں قیامت تک وُقوع پذیر ہونے والے ہر قسم کے حقائق کا علم جمع کر دیا ہے۔ کلامِ اِلٰہی کی جامعیت بنی نوعِ انسان کے لئے روزِ قیامت تک کے لئے رہنمائی کی حتمی دستاویز ہے جو عقلی و نقلی ہر دو قسم کے علوم کو محیط ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو اوّل سے آخر تک اصلاً تمام حقائق و معارف اور جملہ علوم و فنون کی جامع ہے۔ قرآن خود کئی مقامات پر اِس حقیقت کی تائید کرتا ہے۔

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾(43)

(اور ہم نے آپ پر وہ عظیم کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کا بڑا واضح بیان ہے۔)

شئ کے لفظ کا اِطلاق کائنات کے ہر وُجود پر ہوتا ہے، خواہ وہ مادّی ہو یا غیر مادّی۔ جو چیز بھی ربِ ذُوالجلال کی تخلیق ہے 'شئ' کہلاتی ہے، چنانچہ ہر شئے کا تفصیلی بیان قرآن کے دامن میں موجود ہے۔اِرشاد فرمایا گیا ہے:

﴿وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ﴾(44)

(اور (قرآن) ہر شئے کی تفصیل ہے۔)

ایک اور مقام پر اِرشاد ہے:

﴿مَّا فَرَّطْنَا فِي الكِتَابِ مِن شَيْءٍ﴾(45)

(ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی (جسے صراحۃً یا کنایۃً بیان نہ کر دیا ہو۔)

چونکہ اَزل سے ابد تک جملہ حقائق اور مَا كَانَ وَمَا يَكُوْن کے جمیع علوم قرآنِ مجید میں موجود ہیں اِس لئے اِس حقیقت کو اِس انداز سے بیان کیا گیا ہے:

﴿وَلاَ رَطْبٍ وَلاَ يَابِسٍ إِلاَّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾(46)

(اور نہ کوئی تر چیز ہے اور نہ کوئی خشک چیز مگر روشن کتاب میں (سب کچھ لکھ دیا گیا ہے۔)

اِس آیتِ کریمہ میں دو لفظ رَطْبٍ اور يَابِسٍ اِستعمال ہوئے ہیں۔ رطب کا معنی تر ہے اور یابس کا خشک۔ یہ آیت قرآنی اِیجاز اور فصاحت و بلاغت کی دلیلِ اَتم ہے کیونکہ کائناتِ ارض و سماء کا کوئی وُجود اور کوئی ذرّہ ایسا نہیں جو خشکی اور تری کی دونوں حالتوں سے خارِج ہو۔ بحر و بر، شجر و حجر، زمین و آسمان، جمادات و نباتات، جن واِنس، خاکی ذرّات اور آبی قطرات، حیوانات اور دِیگر مخلوقات الغرض عالمِ پست و بالا کی جس شے کا بھی تصوّر کر لیجئے وہ یا تو خشک ہو گی یا تر یا دونوں حالتوں کا مرکب ہو گی۔ قرآن نے صرف دو لفظ وَلَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِستعمال کر کے درحقیقت ساری کائنات کے ایک ایک ذرّے کا بیان کر دیا کہ اُس کا علم قرآن میں موجود ہے۔

ایک اور مقام پر اِرشاد فرمایا گیا ہے:

﴿وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلاً﴾(47)

(اور ہم نے (قرآن میں) ہر چیز کو پوری تفصیل سے واضح کر دیا ہے۔)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ (-) بیان کرتے ہیں کہ علامہ ابنِ برہان (ھ- ھ) اِسی کی تائید میں فرماتے ہیں:

ما من شئ فهو في القرآن أو فيه أصله۔[48]

(کائنات کی کوئی شئے ایسی نہیں جس کا ذِکر یا اُس کی اصل قرآن سے ثابت نہ ہو۔)

گویا قرآن میں یا تو ہر چیز کا ذکر صراحت کے ساتھ ملے گا یا اُس کی اصل ضرور موجود ہو گی۔ یہ بات لوگوں کی اپنی اپنی اِستعداد و صلاحیت، فہم و بصیرت اور قوتِ اِستنباط و اِستخراج کے پیشِ نظر کہی گئی ہے کیونکہ ہر کوئی ہر شئے کی تفصیل قرآن سے اَخذ کرنے کی اِستعداد نہیں رکھتا۔

اگر قدرت کی طرف سے کسی کو نورِ بصیرت حاصل ہو، اِنشراحِ صدر ہو چکا ہو، حجابات اُٹھ چکے ہوں اور ربِّ ذُوالجلال نے اُس کے سینے کو قرآنی معارف کا اَہل بنا دیا ہو تو اُسے ہر شئے کا تفصیلی بیان بھی نظر آتا ہے۔

اِسی موقع پر اِمام سیوطی(-)فرماتے ہیں کہ اصلاً ذِکر کا معنی یہ ہے:

ما من شئ إلا يمكن إستخراجه من القرآن لمن فهّمه االله۔[49]

(کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کا اِستخراج واِستنباط آپ قرآن سے نہ کر سکیں لیکن یہ علوم ومعارف اُسی پر آشکار ہوتے ہیں جسے ربِّ ذُوالجلال خصوصی فہم سے بہرہ وَر فرمادیں۔)

گویا، تمام ظاہری و باطنی علوم و معارف کا جامع ہونا، تمام موجوداتِ عالم کے اَحوال کا جامع ہونا اور تمام آسمانی کتابوں کے ثمرات و مطالب کا جامع ہونا، یہ وہ نمایاں خصوصیات تھیں جن کے باعث اِس مقدس کتاب کا نام اللہ تعالی نے 'القرآن' رکھا ہے۔

آفاقی مذہب کا نظریہ

انسانی دنیا میں نظریات کا تصادم ہوتا رہتا ہے۔ پرانے نظریات مٹتے ہیں اور نئے وجود میں آتے ہیں۔ نظریات کے ہجوم میں ایک شخص یہ سوال کرنے پر خود کو مجبور پاتا ہے کہ اِن مختلف نظام ہائے فکر میں حق وصداقت کا حامل نظریہ کون سا ہے اور وہ معیار کیا ہے، جس پر کسی نظریے کی صداقت کو پرکھا جاسکتا ہو؟ ظاہر ہے کہ اِنسانی زندگی کے لیے یہ سوال بہت اہم ہے۔ جہاں تک سوال کے دوسرے جز کا تعلق ہے کسی نظریے کی صداقت کو جانچنے کے لیے عموماً تین معیارات تجویز کیے گئے ہیں :

☆۔ نظریے اور مسلمہ حقائق میں مطابقت۔

☆۔ نظریے کے اجزائے ترکیبی کے مابین ہم آہنگی

☆۔آفاقیت

کسی نظریے کو آفاقی نظریہ اُس وقت قرار دیا جاسکتا ہے جب اس میں تین خصوصیات پائی جاتی ہوں :

☆۔اس کی دعوت، بِلا کسی تفریق کے، تمام اِنسانوں کے لیے ہو۔اِنسانی آبادی کے کسی جز کو خطاب کرنے کے بجائے وہ ہر اِنسان کو اپنا مخاطب بناتا ہو، اور اُس کی دعوت ہر فردِ انسانی کے لیے یکساں پیغام رکھتی ہو۔آفاقیت کے اِس پہلو کا تعلق اس تنوع سے ہے جو اِنسانوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔اگر کوئی نظریہ فی الواقع آفاقی نظریہ ہے تو اس کی دعوت میں اتنی قوت ہونی چاہیے کہ تمام تر تنوع کے باوجود ہر اِنسان اسے سمجھ سکے اور قبول کر سکے۔

☆۔آفاقی نظریے کی دوسری خصوصیتیہ ہے کہ وہ کسی خاص زمانے کے لیے نہ ہو بلکہ بدلتے ہوئے حالات میں اِنسانی رہنمائی کی صلاحیت اس کے اندر پائی جاتی ہو۔اس پہلو کو "زمانی آفاقیت" کہا جاسکتا ہے۔

☆۔آفاقی نظریے کی تیسری خصوصیتیہ ہے کہ اِنسان کی مکمل شخصیت، اس کا موضوع ہو۔ وہ اِنسانی وجود کے کسی پہلو کو نظرانداز نہ کرے، نفسِ انسانی میں پائے جانے والے تمام جذبات، داعیات اور تقاضوں کی رعایت اس میں موجود ہو اور وہ انسان سے ایسا کوئی مطالبہ نہ کرے، جو اُس کی انسانی فطرت سے ٹکراتا ہو۔

دورِ جدید کے متعدد نظریات ایسے ہیں جنھوں نے انسانوں کے کسی خاص گروہ کو خطاب کیا۔ مثلاً کچھ نظریات اپنے عملی پروگرام کے ساتھ، اِس مقصد کے حامل بن کر سامنے آئے کہ کسی خاص نسل کو بقیہ اِنسانی نسلوں پر اقتدار اور غلبہ حاصل ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اُن کا پیغام محض اُس نسل کے افراد کے لیے تھا جس کا غلبہ وہ چاہتے تھے۔بقیہ اِنسانوں کے لیے اُن کے پاس کوئی پیغام نہیں تھا۔ نازی ازم، فاشزم اور ہندتوا اس کی مثالیں ہیں۔اِس طرح کے نظریات کو آفاقی نہیں کہا جاسکتا۔ نیشنلزم (قوم پرستی) خصوصاً جارحانہ قوم پرستی بھی غیر آفاقی نظریہ ہے۔اِس لیے کہ ہر قوم پرستی کی اپیل اُن حدود کے اندر محدود ہوتی ہے جو اس قوم کی حدود ہوں۔اس سرحد کے باہر رہنے والے اِنسانوں کے لیے اس میں کوئی پیغام نہیں ہوتا۔ یہ واقعہ ہے کہ غیر آفاقی نظریات کا کردار اِنسانی تاریخ میں انتہائی منفی رہا ہے۔اِنسانوں کی باہم ایک دوسرے پر زیادتیوں کے لیے یہ نظریات جواز فراہم کرتے رہے ہیں اور اِس طرح انہوں نے اِنسانی ضمیر کو سلانے کا کام انجام دیا ہے۔

اِسلام کا پیغامیہ ہے کہ ایک اللہ کی عبادت و بندگی کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ، الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَاتَجْعَلُواللَّهِأَندَادًاوَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾(50)

(اے لوگو! بندگی کرو اپنے رب کی جس نے تم کو اور تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو پیدا کیا۔ تمہارے بچنے کی توقع اسی صورت میں ہو سکتی ہے۔ وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا، آسمان کی چھت بنائی، آسمان سے پانی اتارا اور اس کے ذریعے تمہارے رزق کے واسطے میوے نکالے۔ پس جانتے بوجھتے دوسروں کو اللہ کا مدّمقابل نہ ٹھہراؤ۔)

اِسلام کے پیغام کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ور ہنمائی کی مکمل اور مخلصانہ پیروی کی جائے اور اس کو چھوڑ کر دوسروں کی رہنمائی کی پیروی نہ کی جائے۔ اللہ رب العزت کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿المص، كِتَابٌ أُنزِلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُن فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنذِرَ بِهِ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ، اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ﴾(51)

(ا۔ل۔م۔ص۔ یہ کتاب ہے جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے تو تمہارے دل میں اس بارے میں کوئی تنگی نہ ہو (یہ کتاب اِس لیے ہے کہ) تم اس کے ذریعے سے (انسانوں کو بُرے انجام سے) خبردار کرو اور ایمان لانے والوں کے لیے یہ نصیحت ہو، پیروی کرو اس ہدایت کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے نازل ہوئی ہے اور اس کے سِوا دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔ مگر تم نصیحت کم ہی قبول کرتے ہو۔)

اِسلام کی دعوت کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ اِنسانوں کے مابین فیصلہ اللہ کے احکام کے مطابق کیا جائے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَن بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُصِيبَهُم بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ﴾(52)

(اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو اس (قانون) کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ اور ہوشیار رہو کہ وہ (منکرین حق) تمہیں بہکا نہ دیں کہ تم اللہ کے نازل کردہ کسی حکم کی پیروی سے باز رہ جاؤ۔ اور اگر یہ (حق کو) نہ مانیں تو جان لو کہ اللہ کی مشیّت یہی ہے کہ ان کے بعض گناہوں کی سزا ان تک پہنچادے اور یہ واقعہ ہے کہ اِنسانوں میں سے بہت سے نافرمان ہیں۔)

اِسلام کی دعوت کا چوتھا پہلو یہ ہے کہ جس امور کے بارے میں بھی اِنسانوں میں اختلاف واقع ہو ان کے سلسلے میں ہدایتِ الٰہی کو حکم بنایا جائے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾(53)

(تمہارے درمیان جس معاملے میں بھی اختلاف ہو،اس کا فیصلہ کرنااللہ کاکام ہے۔وہی اللہ میرارب ہے،اسی پر میں نے بھروسا کیااوراسی کی طرف میں رجوع کرتاہوں۔)

اِسلامی نظریے کی ایک خصوصیت اس کی ہمہ گیری اور جامعیت ہے۔اِسلام نے زندگی کے ہر پہلو میں اِنسان کی رہنمائی کی ہے۔ قرآن مجید میں طہارت، وضو اور تیمم کا بھی ذکر ملتا ہے اور ذکر، شکر اور فکر کا بھی۔ جس طرح اسلام کی تعلیمات تزکیہ، عبادت اور حصولِ تقویٰ کے سلسلے میں اِنسان کی رہنمائی کرتی ہیں اسی طرح وہ دعوتِ دین، حقوق العباد کی ادائیگی اور جہاد فی سبیل اللہ کی طرف بھی متوجہ کرتی ہیں۔اِسلام کی جامع رہنمائی اخلاقِ فاضلہ کی بلندیوں کی طرف اِنسان کولے جاتی ہے اور بارِ امانت کا حق ادا کرنے کے لیے اس کو تیار کرتی ہے۔

اِسلام نے اشخاص کی انفرادی اصلاح کو کافی نہیں سمجھا ہے بلکہ معاشرے اور ریاست کی اصلاح کو کلیدی اہمیت دی ہے۔اسی طرح اسلام کے نزدیک صرف باطن کی درستی کااہتمام کافی نہیں، بلکہ ظاہر کی طرف توجہ بھی ضروری ہے۔ اِنسانی زندگی کے تمام شعبے اسلام کے نزدیک اہم ہیں، خاندانی نظام، معاشرتی روابط، معاشی تگ ودو، سیاست و حکومت، صلح وجنگ، تہذیب و تمدن، ثقافت و فنونِ لطیفہ اور تعلیم و تربیت سب پر اسلام نے توجہ کی ہے۔ مظاہر کی کثرت کے باوجود، اسلام کے نزدیک اِنسانی زندگی ایک وحدت ہے۔ وہ اِس پوری زندگی کو اللہ کی بندگی کے رنگ میں رنگنا چاہتا ہے اور اِنسان کی شخصیت کے ہر پہلو کو غیر اللہ کی بندگی سے آزاد کرانا چاہتا ہے۔

اِسلامی نظریات نے تمام اِنسانوں کو اپنا مخاطب بنایا ہے اور سب سے ان کے خطاب کی نوعیتیکساں ہے۔ قرآن مجید اِنسانوں کے لیے ''الناس'' کا لفظ استعمال کرتا ہے۔اس نے اپنی دعوت بِلا تفریق سارے انسانوں کو پیش کی ہے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں کہ اسلام کیونکہ کسی خاص قوم، ملک اور وقت کا دین نہیں، بلکہ تمام بنی نوع انسان کا تا قیامِ قیامت دین ہے اس لیے عام خطاب سے دعوت دی جارہی ہے کہ اے تمام انسانو!۔(54)

اِسلامی خطاب کے عام ہونے کے علاوہ یہ بات بھی واضح ہے کہ اسلام جو پیغام پیش کرتا ہے، وہ بھی سب کے لیے یکساں ہے۔ جو دعوت ایک فرد کے لیے ہے، وہی دوسرے کے لیے بھی ہے۔ سب کو اِسلام نے اللہ کی بندگی کی طرف ہی دعوت دی ہے۔ دعوت کییہیکسانیت، انسانی مساوات کالازمی نتیجہ ہے۔

دعوت کییکسانیت کے علاوہ آفاقی نظریے کی تعریف میںیہ وصف بھی شامل ہے کہ اُس کے اندر مختلف حالات میں اِنسانوں کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت موجود ہو۔آفاقی نظریہ کچھ دائمی اصول رکھتا ہے جو کسی حال میں نہیں بدلتے، کچھ حدود متعین کرتا ہے جن سے انسانی سرگرمیوں کو محدود ہونا چاہیے اور کچھ مقاصد پیش کرتا ہے جن کے حصول کے لیے فرد، سماج اور ریاست کو کوشاں ہونا چاہیے۔ دائمی اصولوں، حدود، اقدار اور مقاصد کے تعین کے بعد آفاقی نظریہ

انسانوں کو جزئیات اور تفصیلی تدابیر کے سلسلے میں آزادی دیتا ہے جہاں وہ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق مناسب طرزِ عمل اختیار کر سکتے ہیں۔ گویا آفاقی قرار دیے جانے کے لیے نظریہ ایسا ہونا چاہیے جو دو قسم کے عناصر پر مشتمل ہو۔

☆ دائمی عناصر جو وقت کے ساتھ نہیں بدلتے۔ اِن میں اصول، حدود، مقاصد، قدریں اور آداب شامل ہیں۔

☆ غیر دائمی عناصر جن میں وقت اور حالات کے ساتھ تبدیلی کی جاسکتی ہو۔ اِن ہیں جزئیات اور تفصیلی تدابیر شامل ہیں۔

ظاہر ہے کہ اِن دونوں قسم کے عناصر میں واضح خطِ امتیاز (Distinction) ضروری ہے۔

اسلام ہیں یہ امتیاز واضح ہے۔ جو کچھ کتابِ الٰہی اور سنتِ رسول سے ثابت ہے، وہ دائمی ہے اور جن امور میں کتاب و سنت نے آزادی دی ہے، وہ غیر دائمی عنصر سے متعلق ہیں۔ ان میں حالات بدلنے کے ساتھ، کتاب و سنت کی تربیتیافتہ عقلِ انسانی اپنا کام انجام دے سکتی ہے۔ اس سرگرمی کا نام اجتہاد ہے۔ مستقل اور غیر مستقل کے درمیانیہ واضح امتیاز، الٰہی ہدایت کی بہت بڑی دَین ہے جو اِنسانوں کو غیر ضروری اختلافات سے بچا لیتی ہے۔ اس امتیاز سے عقلِ انسانی کا صحیح رول متعین ہو جاتا ہے۔ تبدیلی زندگی کا وصف ضرور ہے لیکن حیات کے بعض پہلو دائمی بھی ہیں۔ آفاقی نظریہ اِس حقیقت کا واضح ادراک رکھتا ہے۔

کسی نظریے کے آفاقی قرار دیے جانے کے لیے تیسری ضروری شرط یہ ہے کہ وہ نظریہ، حیاتِ انسانی کے ہر پہلو میں رہنمائی کا فریضہ انجام دے۔ ظاہر ہے کہ اِسلام اس کسوٹی پر پورا اترتا ہے۔

اِسلام کی اس خصوصیت کا تعارف کراتے ہوئے مولانا سید جلال الدین عمری (ولادت: ء) لکھتے ہیں کہ اسلام فکر بھی ہے اور عمل بھی۔ یہ عقیدہ بھی ہے اور عبادت بھی۔ یہ اخلاق بھی ہے اور قانون بھی۔ یہ اللہ تعالیٰ سے اِنسان کا تعلق بھی جوڑتا ہے اور انسانوں کے ایک دوسرے سے روابط بھی درست کرتا ہے۔ یہ فرد کی اصلاح بھی ہے اور سماج کی تعمیر بھی۔ یہ تزکیہ و طہارت بھی ہے اور جد وجہد اور جہاد بھی۔ اِس میں روح کی تسکین بھی ہے اور مادی ضروریات کی تکمیل بھی۔ یہ اِنسانوں کے جذبات و احساسات اور خیالات کی بھی نگرانی کرتا ہے اور اس کے معاملات کو بھی دیکھتا ہے۔ یہ اس کی روح کو خدا کے سامنے جھکاتا اور اس کے جسم کو اس کے احکام کا پابند بناتا ہے۔ یہ دین عورت کے لیے بھی ہے اور مرد کے لیے بھی۔ جوان کے لیے بھی ہے اور بوڑھے کے لیے بھی۔ حاکم کے لیے بھی ہے اور محکوم کے لیے بھی۔ امیر کے لیے بھی ہے اور غریب کے لیے بھی۔ یہ ہر ایک کے حقوق بھی بتاتا ہے اور فرائض بھی۔ یہ فرد اور معاشرہ دونوں پر خدا کی حکومت قائم کرتا ہے۔ اس کی حکومت ظاہر پر بھی ہوتی ہے اور باطن پر بھی۔ یہ فرد کو پاکیزہ زندگی اور قوموں کو عروج و ترقی عطا کرتا ہے۔ یہ خدائے قدوس کا دین ہے۔ اِس میں دنیا کی کامیابی بھی ہے اور آخرت کی کامیابی بھی۔[55]

اسلام متوازن اور اعتدال پسند دین ہے۔ اس کی تعلیمات اور احکام میں توازن پایا جاتا ہے۔ اس نے ہر معاملۂ انسانی میں اعتدال کا حکم دیا ہے اور افراط و تفریط کا خاتمہ کیا ہے۔ عیسائیوں نے اعتدال کا راستہ چھوڑ کر رہبانیت کو قربِ الٰہی کا ذریعہ قرار دیا۔ بدھ مت میں نروان کے حصول کے لیے بھکشو بننا لازم قرار دیا گیا، ہندو مت میں یوگی بننے کو نجات کا راستہ خیال کیا گیا ہے، اسی طرح دیگر مذاہب میں بھی اعتدال کے راستے کو چھوڑ کر غیر فطری طریقوں کو اختیار کیا گیا، جب کہ اسلام میں توازن اور اعتدال کی تعلیمات دی گئی ہیں۔

پروفیسر خورشید احمد (ولادت : ء) لکھتے ہیں کہ اسلام کی تعلیمات نہایت ہمہ گیر اور جامع ہیں۔ اسلام انفرادی زندگی کے لیے بھی ہدایات دیتا ہے اور اجتماعی زندگی کے لیے بھی۔ اسلام میں جتنی اہمیت اخلاقی نظام اور عبادت کی ہے اتنی ہی اہمیت سیاسی، معاشرتی، تمدنی اور اقتصادی نظام کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نہ انسان کو لامحدود آزادی دی گئی ہے اور نہ اسے بے انتہا جکڑ کر رکھا گیا ہے۔ قرآن و سنّت کے ذریعے زندگی کے بنیادی اصول متعین کر دیے گئے ہیں۔ ان اصول کی روشنی میں ہر زمانہ کے حالات کے تحت قوانین مدوّن کیے جا سکتے ہیں۔ اس حکیمانہ نظام کی بنا پر اسلام میں ہر دور کا ساتھ دینے کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔ (56)

اسلام نے تمام امور میں انسانوں کو اعتدال اور توازن کا حکم دیا ہے، خواہ عبادات ہوں یا دنیاوی امور، وہ کسی بھی معاملہ میں بے اعتدالی کو پسند نہیں کرتا۔

مذہب اِنسان کی نفسیاتی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے اور اگر مذہب کو اِنسانی زندگی سے خارج کر دیا جائے تو ایسا خلا پیدا ہوتا ہے جس کو کوئی نظریہ پُر نہیں کر سکتا مثلاً :

اطمینانِ قلب اِنسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ مذہب بتاتا ہے کہ اللہ کی یاد سے دِلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ اِنسان موت کے بعد کی زندگی میں نجات کا خواہاں ہے۔ مذہب اسے بشارت دیتا ہے کہ ایمان اور عمل صالح کے نتیجے میں اسے نجات حاصل ہو گی۔ کہا جا سکتا ہے کہ بہت سے لوگ زندگی بعد موت کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے لیے نجات کا سوال کوئی اہمیت نہیں رکھتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہر اِنسان کے دل میں موت کے بعد آنے والی زندگی کا خیال موجود ہوتا ہے اور وہ کسی طرح اِس اندیشے سے آزاد نہیں ہو سکتا کہ وہاں اسے کن حالات سے سابقہ پیش آئے گا۔

اِنسان کے قلب میں خیر کی طرف فطری رجحان اور شر سے بیزاری دونوں موجود ہیں لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ بہک جاتا ہے اور اپنی خواہشات کا اتباع کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ خیر کے راستے سے اس کے قدم ہٹ جاتے ہیں۔ اِس صورت حال میں انسان کسی قوی محرک کا طالب ہوتا ہے جو اس کے اندر نفس کی چالوں کے مقابلے کی قوت پیدا کر سکے۔ مذہب کا عطا کردہ تصورِ آخرت اِنسان کی اِس ضرورت کو پوری کرتا ہے۔

کیااِنسان کو ایسا نظریہ درکار ہے جو زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی کرے یا ایسا نظریہ جو محض بعض شعبوں سے بحث کرتا ہو؟ ظاہر ہے کہ اِنسانی فطرت جامع نظریے کا تقاضا کرتی ہے اور جزوی رہنمائی سے اس کی تشنگی پوری نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ جامعیت کے اعتبار سے بحیثیت مذہبِ اسلام کو آفاقی نظریہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ جو لوگ فی الواقع حق کے متلاشی ہیں ان کو آفاقیت کی کسوٹی پر نظریات کو پرکھنا چاہیے۔ان پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ فی الواقع آفاقی نظریہ حیات صرف اسلام ہے۔اسی نظریے کو اپنا کر انسانیت کامیابی سے ہم کنار ہوسکتی ہے۔

الغرض مغرب میں مختلف ادوار میں مطالعہ مذاہب کے مختلف مناہج رائج رہے ہیں۔سائنسی علوم کے ماڈل پر تشکیل شدہ سماجی علوم کی کثرت اور تحقیقات میں وسعت وجدت کی وجہ سے ایک ایک سماجی علوم میں آج مطالعہ مذاہب کے کئی مناہج متعارف ہوچکے ہیں۔اس لحاظ سے نتائج فکر میں بھی شدید اختلافات سامنے آتے ہیں۔مگر مطالعہ مذاہب کے مختلف مناہج اور نتائج میں اختلافات کے باوجود مغربی مفکرین اس بات پر متفق ہیں اور یہ بات مغربی علمیات (Episteme) کے مسلمات میں سے ٹھہرتی ہے کہ مذہب ذریعہ علم نہیں ہوسکتا۔اس لحاظ سے ان کا مطالعہ مذاہب وحی کے مبنی بر حقیقت ہونے کے لحاظ سے نہیں بلکہ ایک سماجی مظہر کے طور پر ہوتا ہے۔

یہ بات بھی ایک حقیقت کے طور پر سامنے آتی ہے کہ مغربی تہذیب کا علمیاتی منہاج ،اسلام کے فکری منہاج سے بالکل مختلف ہے اور دونوں مختلف راستوں کے حامل ہیں، کیونکہ اسلام اقرارِ وحی اور اس کے ذریعہ علم ہونے کا نام ہے جب کہ مغربی منہاج کی بنیاد انکارِ وحی پر ہے۔

References:

(1)Aal-Imran, 3: 64
(2)Al-An'am, 6: 08
(3)Al-shu'ra, 26: 196

(4)Bukhari, Muhammad b. Ismail, Al-sahih, Al-ryadh, Dar al-salaam linashar, 1419 AD. 2: 675, Hadith:3417
.(5) Al-hajj, 22: 40
(6)Maududi, Syed Abu Al-a'la, tafheem al-Quran, Idarah Tarjuman Al-Quran, 1971. 3: 235
(7)Al-Mas'udi, Murooj Al-dhahab, Karachi, Nafis Acadey, 1985. 2: 169
(8)Muhammad Anwar b. Akhtar, Ummat muslima per kuffar kay mazalim kay dilkharash Halaat, Karachi, Maktabah Arslan. 2003. P: 255-256
(9)Ibid, p:54-56
(10)Maulana Shibli Nu'mani, Al-farooq, Lahore, Islami Academy, 1997. P: 286
(11)Abu Dawood, Sulayman b. Ashath, Al-sunan, Beirut, Lebanon, Dar Al-fikr, 1994. 3: 180, Hadith: 3052
(12)Bayhiqi, Abu Bakr Ahmad b. Husayn, Dalail Al-nubuwwat, Beirut, Lebanon, Dar al-kotob Al-imiyyah. 1985. 5: 382

(13)Jassas, Ahmad b. Ali Al-razi, Ahkam al-Quran, Beirut, Dar Ihya al-turaath al-arabi. 1405. 5: 83
(14)ibid
(15)Al-ankabut, 29: 46
(16)Al-nahl 16: 125
(17)Maududi, Syed Abu Al-a’la, tafheem al-Quran, 3: 708
(18)Aal Imran 3: 59
(19)Alvi, Dr, Mustafiz Ahmad, Riyasat o Hukumat kay Islami Usool, Islam abad, Purab Academy. 2010. P: 15
(20)Al-baqarah 2: 38
(21)Al-Hujurat 49: 13
(22)Al-baqarah 2: 213
(23)Al-Nahl 16: 36
(24)Imad al-Hasan Azad Farooqi, Dunya kay barrey mazahib, Dehli, Jamia Nagar, 1986. P: 37
(25)Dr. Munawar Husyn Cheema, Adyaan Alam ka taqabali mutala’a, Lahore. Rabza Publications. 2018. P: 117
(26)Al-baqarah 2: 97-98
(27)Al-maidah 5: 75
(28)Al-tawbah 9: 30
(29)Al-baqarah 2: 80-81
(30)Al-baqarah 2: 111
(31)Al-tawbah 9: 30
(32)Aal Imran 3: 67
(33)Al-baqarah 2: 62
(34)Aal Imran 3: 64
(35)Maurice Bucaille, *The Bible, The Quran and Science*, Translated from the French by ALastair D. Pannel and the Author, N.D.P.102.
(36)Maududi, Syed Abu Al-a’la, tafheem al-Quran, Idarah Tarjuman Al-Quran, Pakistan Printing Press. 1965. P:285-286
(37)Maurice, Bucaille, *The Quran and Modern Science* ,Ashraf Publication, Karachi, N.D,P:3
(38)Iqbal, Dr Allama Muhammad, *The Reconstruction of Religious Thought in Islam* , Hafeez Press, Lahore, 1965, PP:195-196
(39)*Encyclopaedia Britannica*, Printed ,in U.S.A , 1986,vol:26, p:579
(40)*Encyclopaedia Britannica* ,vol:26, p:579
(41)Ghazali, Al-muqiz min al-dhalaal, Lahore. 1405 AH. P: 54
(42)Anmol's *Dictionary of Sociology*, New Delhi, 1989
(43)Al-Nahl 16: 89
(44)Yusuf 12: 111
(45)Al-an’am 6: 38
(46)Al-an’am 6: 59
(47)Bani Israil 17: 12
(48)Suyuti, Jalal al-din, al-itqat fi uloom al-quran, Karachi, Qadimi Kutob Khana, 1988. 2: 126
(49)ibid
(50)Al-baqarah 2: 21-22
(51)Al-a’raf 7: 1-3
(52)Al-maidah 5: 49
(53)Al-shura 42: 10

(54)Pir Muhammad Karam Shah, Zia Al-Quran, Lahore, Zia al-Quran Publications, 2015. 1:29
(55)Sayed Jalal al-din Umri, Islam ki Dawat, Dehli, Markazi Maktabah Islami, 1996. P: 38
(56)Prof. Khurshid Ahmad, Islami Nazria Hayat, Islamabad institute of policy studies. 2016. P: 71